جلد02 شمارہ16، 2023

Article

Man is a Garbage bin of the Cosmic Cafe: Zahid Imroz poems in context of "the birds of a burnt sky"

"آدمی کائناتی کیفے کا کوڑے دان ہے": زاہد امروز کی نظمیں ("جلے ہوئے آسمان کے پرندے" کے تناظر میں)

Dr. Sajjad Naeem*[1], Muhammad Awais[2]

[1] Assistant Professor, Department of Urdu,The Islamia University of Bahawalpur
[2] Ph.D. Scholar, Department of Urdu, The Islamia University of Bahawalpur
* Correspondence: sajjad.naeem@iub.edu.pk

ڈاکٹر سجاد نعیم[1]، محمد اویس[2]

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، [2] پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

Abstract: The new Urdu poetry has established its own identity in terms of themes, diction and subject matter. In particular, the Urdu poem has developed its various forms after 9/11, and the suffering in this contemporary human life is represented succinctly by this new poem. This form of poetry embraces diverse themes openly, and challenge the literary status quo in terms of style, diction, form as well and sensibility. In this tradition, Zahid Imroz has contributed a significant body of work. This article offers a critical review of his latest book "Jalay Howy Asman Ky Parinday". His poems can help us understand the chaos and complexity of daily life. In perticular, his poems capture the themes such as social, political and religious hypocrisy.

Keywords: New Poem, Contemporary Perspective, Society, Zahid Imroz

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:24-09-2023
Accepted:19-11-2023
Online:20-12-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

اکیسویں صدی کی نظم نئے منطقوں کی تلاش میں ہے۔ اس سفر میں نظم نے ہر سطح پر اپنی شکلیں تبدیل کیں۔ ہر شاعر نے نظم کے نئے وجود کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کے امکانات کو بھی روشن کیا۔ نئی نظم انسانی منطقوں کے ساتھ غیر انسانی منطقوں کو بھی بروئے کار لاتی ہے۔ جس سے بے جان اشیاء کی ماہیئت شعریت کے ساتھ بے نقاب ہوتی ہے۔ نئی نظم ہر عہد میں پائے جانے والے مسائل سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ اس نے اپنی سمت نمائی خود کی ہے۔ آج کی نظم بھی اپنے اندر متنوع جہات رکھتی ہے؛ جس میں انسان کے جنسی، نفسیاتی، وجودی، حیاتیاتی اور اکلاپے کے مسائل مختلف انکشافات کے ساتھ رونما ہوتے ہیں۔ نئی نظم کے شاعر پر اس وجہ سے بھی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ اس نے کسی خاص آدرش کو نظم نہیں کرنا بلکہ وہ تمام انسانی اور غیر انسانی کیفیات کو اپنا اثاثہ سمجھتا ہے۔ جیلانی کامران کی اس رائے سے اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ:

> ''نئی نظم کی اساس تجربے پر ہے اور اسی لحاظ سے منفرد ہے کیونکہ اس کا تجربہ اپنی پیدائش کے اعتبار سے وسیع فکری منطقوں سے تعلق رکھتا ہے اور رونمائی کے اعتبار سے ایک ہی وقت میں مختلف زاویوں سے اپنی شباہت کو پیدا کرتا ہے۔ یہ صورت حال نئی ہے کیونکہ آج سے پہلے کا شعری تجربہ اتنے وسیع فکری منطقوں سے رونما نہیں ہوتا تھا۔ یا تو وہ معاشرے سے پیدا ہوتا تھا یا شاعر کے داخلی نفسیاتی محرکات سے رونما ہوتا تھا یا سیاسی حالات سے، لیکن تصورِ آخرت کی تفاصیل تک کو اپنے آپ میں سمو لینے سے قاصر تھا۔ اس کے برعکس نئی نظم کا شاعر جس تجربے کا استعمال کرتا ہے وہ اُس کے اپنے آپ سے لے کر کائنات تک کی مسافتوں سے پیدا ہوتا ہے۔''[۱]

نئی نظم کے ضمن میں کئی طرح کے سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ جس میں ایک اہم سوال 'شعریت' کی بابت ہے۔ ناقدین کا خیال ہے کہ نئی نظم جس سرعت رفتاری کے ساتھ تخلیق کی جارہی ہے اس میں تخلیق کار نے اپنے لیے آسانی تلاش کرلی ہے۔ وہ چند سطروں کو اکٹھا کر کے نظم نگار ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے مگر نئی نظم نے اب اپنی مخصوص شناخت وضع کرلی ہے۔ اس لیے شعریت کے متعلق اٹھنے والا سوال اب غیر ضروری محسوس ہوتا ہے۔ شاعری کا تعلق حسیت اور تخیل پر ہے۔ اگر نئی نظم سامع یا قاری پر کسی انکشاف کے ساتھ وارد ہوتی ہے تو یقینا یہ شاعر کی کامیابی ہے۔ یہاں شعریت سے مراد وہ لطف ہے جو نئی نظم سے کشید کیا جاسکتا ہے۔ اب وہ نظریات ازکارِ رفتہ ہو چکے ہیں کہ جب قافیہ پیمائی کو ہی شاعری تصور کیا جاتا تھا۔ انسان کے بدلتے فکری رویوں نے اظہار کے نئے رستے تلاش کر لیے ہیں۔ اس لیے آج کا شاعر غیر شاعرانہ حقائق کو بھی شاعرانہ بنا سکتا ہے۔[۲]

گذشتہ چند برسوں میں جن شاعروں نے اپنی انفرادی پہچان بنائی ان میں زاہد امروز[۳] کا نام اہم ہے۔ ان کی نظمیں اپنے مخصوص پس منظر کیساتھ قاری سے ہم کلام ہو کر ہمارے روایتی نظام پر شدید چوٹ کرتی ہیں۔ وہ نہ صرف نظم کے ہئیتی

نظام میں نیا رستہ اختیار کرتے ہیں بلکہ ان کے ہاں موضوعاتی تنوع بھی نظر آتا ہے۔ زاہد امروز کی نظموں کا آہنگ انتہائی منفرد اور دلچسپ ہے۔ ''جلے ہوئے آسمان کے پرندے'' ان کا تازہ نظمیہ مجموعہ ہے جو ۲۰۲۲ء میں طبع ہوا۔ اس مجموعے کی پہلی نظم کچھ یوں شروع ہوتی ہے:

'' اور جب شہر کی گلیوں میں
رات کی زخمی لاش آ گرتی ہے''[۴]

یہ سطریں شاعر کی اُس تخلیقی کتھا کو بیان کر رہی ہیں کہ جس کا آغاز انہوں طویل عرصہ پہلے کیا تھا۔ وہ روزمرہ کی زندگی کو تخلیقی تجربے کے آئینے میں دیکھ رہے ہیں۔ نئی نظم کی بنیاد انسان کے فراموش شدہ رویوں پر قائم ہے۔ انسان اپنی ثقافتی اقدار کھو چکا ہے۔ اس کے رویے میں انارکی کا در آنا ایک فطری عمل ہے؛ جس کی بنیادی وجہ وہ تنہائی ہے جو اسے غیر انسانی اشیاء کی بجائے انسان نے ہی فراہم کی ہے۔ جدید عہد کا انسان خواہ وہ کسی بھی خطے کا باشندہ ہو وہ ہماری طرح تنہا ہے۔ سماجی تفاوت کے باوجود کراہ ارض پر موجود ہر انسان میں مشترکیت صرف تنہائی ہے۔ ان کے ہاں تنہائی عالمگیر قدر کے طور پر نظر آتی ہے۔ زاہد امروز نے اس اجتماعی المیے کو اپنی نظم **''نظم کے لیے غسل واجب نہیں''** میں موضوع بنایا ہے :

'' لندن لڑکیوں سے بھرا پڑا ہے
لیکن دل کا دالان خالی ہے
عمر علی!
لندن ہو یا لائل پور
دنیا ایک سی ہے''[۵]

زاہد امروز کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نئی نظم کی حسیّت کو سمجھتے ہوئے انسان کے جنسیاتی مسائل کے ذریعے اس تنہائی کو گرفت میں لیا ہے کہ جو فرد کے وجودی مسائل کی منتج ہے۔ نئی نظم جدید انسان کی رائیگانی، لاحاصلیت اور گمشدہ قدروں کا مقدمہ پیش کرتی ہے۔ ہر انسان کے اندر یہ خواہش زندہ رہتی ہے کہ وہ اس بکھراؤ اور انتشار میں اپنا برعکس تلاش کرے۔ زوال پذیر ہوتے عہد نے انسان کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ اپنی انفرادی حیثیت کی بازیافت کے لیے از سر نو کوشش کرتا ہے۔ ان کی نظمیں ایک ایسے جہان کو ہم پر منکشف کرتی ہیں جو ہمارے لیے باعثِ حیرت بنتا ہے۔ مظہر الاسلام کے خیال میں:

''اِمروز کی نظمیں پڑھتے ہوئے میری ملاقات اچانک اپنے ہی قبیلے کے ایک شاعر سے ہو جاتی ہے جس کی شاعری کی پرورش تنہائی کی راہداریوں، دل کے ناہموار موسموں، ناآسودہ خوابوں، درد کے صحرائوں، ہجر زدہ شاموں، دل کے قافلوں کی راہ میں چھپے ہوئے راہزنوں اور لگاتار بارشوں نے کی ہے۔ اسی لیے اِمروز کی شاعری چرواہوں کے قبیلے کی روحانی قدروں کا خواب نامہ ہے۔ محبت کے چرواہوں کے قبیلے سے تعلق رکھنے والا یہ شاعر انتہائی خاموشی سے ایک لازوال محبت کی کہانی کے

کرداروں کی ورق گردانی میں مصروف ہے۔ اس کی شاعری کے سارے ان دیکھے منظر اس کی ذات کے صحرا میں پھیلتے اور سمٹتے فاصلوں کی اوٹ سے اچانک نمودار ہوتے ہیں۔"[۶]

زاہد امروز نے **"نظم لکھنے سے پہلے ایک نظم"** میں سچ کو انسانی وجود کے طور پر لیا ہے؛ انسان ان گنت آوازں کے ہجوم میں اپنی آواز تلاش کر رہا ہے۔ وہ خود کو مطیع سمجھتا ہے۔ وہ اپنا سچ (جو اصل میں اس کے وجود کا اثبات بھی ہے) منوانے کے لیے ہر دم کوشاں رہتا ہے:

"کون مرے اس سچ کو سچا جانے
مرا سچ جو اس اَن حد باغیچے کے اک گوشے میں
کھلا ہوا معمولی پھول ہے
کون اس پھول کو چننے آئے
کس کو اتنی فرصت!
کبھی کبھی تو میں اس باغ کے باترتیب کیاروں میں
کھلے ہوئے پھولوں سے ڈر جاتا ہوں
جن کے رعب تلے دب جاتی ہیں
میری ننھی خوشیاں
میرے مسکانے کی معصوم خواہش"[۷]

ہر عہد میں نظم کی مخصوص سمت طے رہی ہے جس کے تحت شاعروں نے نظمیں لکھیں۔ انجمن پنجاب نے قومی ورثے کو تلاش کرنے کی کوشش کی، ترقی پسند نظم نے سماج کو اپنا دشمن قرار دیا، حلقہ ارباب ذوق نے عالمی بیگانگی کو موضوع بنایا اور ۱۹۶۰ء کے بعد کی نظم تجربات کے دور سے گزری جبکہ نئی نظم کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ اس نے ہمیشہ کثیر الجہات پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے۔ نئی نظم صرف انسان کے اندرونی مسائل، زمینی حقائق یا مابعد الطبیعاتی معجزات تک محدود نہیں ہے۔ اس نے ہمیشہ مقتدر قوتوں کے خلاف اٹھائی ہے۔ یہ انسان کے مفاہمتی رویوں کی بجائے مزاحمت پر یقین رکھتی ہے۔ یہ ریاستی جبر کے مد مقابل کھڑی نظر آتی ہے۔ نئی نظم کا شاعر حقیقی اور خیالاتی دنیا کے درمیان ایک ایسا اتصال قائم کرتا ہے کہ جس سے کوئی انوکھی واردات ظاہر ہوتی ہے۔ وہ عصری رویوں کو منفرد انداز میں نظم کرتا ہے۔ سعادت سعید اپنی کتاب **"اردو نظم میں جدیدیت کی تحریک"** میں ایسے تازہ کار شاعر کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"وہ چیزوں کے لامتناہی سمندر میں کھو کر نہیں رہ جاتا بلکہ اپنے عصر کے تیزی سے گزرتے لمحوں اور رواں دواں منظروں کی اصل حقیقت تک رسائی کی سر توڑ کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ وہ شدید جذباتی اور نفسیاتی کوائف کے روبرو اپنی اور خارجی

معروضات کی شناخت کرتا ہے۔اس کی شعری اقلیم میں صورتیں، حقیقتیں اور وارداتیں نشو نما بھی پاتی ہیں اور بنجر بھی ہوتی رہتی ہیں۔اس کی علامتیں آدرشی نہیں رہتیں، نئی انسانی کشمکش، سماجی تصادم اور تہذیبی رزمیہ کو سمجھنے کا وسیلہ بنتی ہیں۔نئے شاعر کے ہاں جذبات کی شدت اور ادراک کی بے باکی اپنے پیش رو شعرا سے زیادہ ہے۔شخصیت کے غیر مانوس منطقوں کی دریافت اور خارجی سیاسی و سماجی نظام کا تجزیہ اس کا طُرہ امتیاز ہے۔"[۸]

نئی نظم انسانی گروہ سے ریاست کی لاعلمی کے مسئلے کو موضوع بناتی ہے۔یہ ایسا المیہ ہے کہ جس میں ریاستی باشندہ خود کو غیر محفوظ تصور کرتا ہے۔جبکہ مقتدر طبقوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ قومی شناخت رکھنے والے کتنے بچے مرجھا چکے ہیں۔ زاہد امروز نے **نظم "گلشن پارک میں ایسٹر"** میں بچوں کی آنکھ سے حاکمانہ قوتوں کے مکارروپوں کو دیکھنے کی کوشش کی ہے:

"کتنی آوازیں روزانہ تمہیں بلاتی ہیں
کام میں گم
دفتر کی میزوں میں دھنسے ہوئے
تم ان کو سن نہیں سکتے
زنگ آلودہ جھولوں کو چُرمُر چیخیں
بچوں کے دل میں گرتی رہتی ہیں
تم ان کو سن نہیں سکتے
رات اور دن
زندگیوں کو یک طرفہ سڑکوں پر کھڑے درختوں کی مانند گزرتے ہیں
تم رکتے ہو
بازاروں میں
گرجوں میں
مسجد میں
یا روشن سینما گھروں کے باہر
لیکن بچوں کے پارک میں
ٹوٹی پینگ مرمت کرنے کبھی نہیں رکتے ہو۔"[۹]

نئی نظم کو جو چیز مضبوط بناتی ہے وہ اس کا شعری کرافٹ ہے۔شاعر اپنے شعری اظہار کے لیے استعاراتی زبان وضع کرتا ہے۔وہ انسانی جذبات کو برانگیختہ کرنے کی قوت رکھتا ہے۔اس کے اردگرد کئی چیزیں بکھری ہوتی ہیں جن کو وہ شعری منطق کے ذریعے مجتمع کرتا ہے۔اس کے شاعرانہ اُسلوب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جذبات کی نمائندگی کرنے کی بجائے نئے

جذبات کو پیدا کرنے کا سبب تلاش کرتا ہے۔[۱۰] اس کا استعارہ جس قدر منفرد ہو گا؛ نظم بھی اپنی انفرادیت قائم کرے گی ۔زاہد امروز کی بڑی خوبی یہی ہے کہ وہUnique Images بناتے ہیں۔ جس سے روایتی موضوع بھی نئے پن کے احساس کے ساتھ منکشف ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی نظم **"توہین ہمارا قومی پھول ہے"** میں برصغیر کے روایتی نظام کو موضوع بنایا ہے۔ اس میں خاص طور پر دفتروں میں سائلوں کیساتھ برتی جانے والی منافقت نئے شعری کرافٹ کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ایک عام آدمی افسر کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا اور وہ اپنی تکمیلیت کے لیے کئی جتن کرتا ہے۔ اسی لیے شاعر نے اپنے شہر میں لوگوں کے اجنبی ہو جانے اور ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کرنے پر دفتری نظام کو مخصوص استعارات کے ساتھ استعمال کیا ہے:

"توہین ہمارا قومی پھول ہے
جو ہر چوراہے پر کھلتا ہے
اس کے باغ ہماری دھرتی کی رونق ہیں
اس خوشبو کے تعاقب میں
ہم دفتر دفتر پھرتے ہیں
اور افسر افسر بکتے ہیں۔"[۱۱]

"جلے ہوئے آسمان کے پرندے" کا دوسرا حصہ **"سہا ہوا آدمی"** کے عنوان سے شامل ہے۔ اس حصے کی نظمیں جدید آدمی کی گھمبیر تا کو پیش کرتی ہیں۔ جس سے آدمی کی تنہائی، آوارگی اور اس کے مکروہ پن کا احساس نئے ذائقے کے ساتھ ہمارے سامنے آتا ہیں۔ نئی نظم پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا رہا ہے کہ اس کے موضوعات محدود ہو چکے ہیں۔ یہ اجتماعیت کی بجائے صرف انفرادیت کی بات کرتی ہے اور وجودی تعفن اس کا محبوب موضوع ہے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے مگر گذشتہ چند برسوں میں جو نئی نظم لکھی گئی اس کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ ناقدین کا یہ اعتراض بھی رفع ہو چکا ہے۔ اس کی مثال زاہد امروز کی نظمیں ہیں کہ جب وہ 'آدمی' کی بات کرتے ہیں تو اس میں جزو کی بجائے کُل موضوع بنتا ہے۔ آدمیت کا نوحہ جدید نظم کا خاص موضوع ہے کیونکہ اس میں شاعر انسان کے مکروہ عمل کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں صرف داخل کی بات نہیں ہوتی بلکہ شاعر اندرونی کیفیات کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ وزیر آغا اس متعلق رقم طراز ہیں کہ:

> "نظم ایک کہانی بیان کرتی ہے۔ کبھی یہ کہانی آپ بیتی کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی جگ بیتی کا۔ قدیم اُردو نظم نے زیادہ تر جگ بیتی کی صورت اختیار کی ہے اور اسی لیے اس میں شاعر کی اپنی ذات پوری طرح منعکس نہیں ہوئی۔ لیکن جدید نظم آپ بیتی کے اظہار کی طرف مائل ہے اور اسی لیے اس میں ایک انوکھی قوت اور انفرادیت نظر آتی ہے۔۔۔ یہی نہیں بلکہ اس نے فرد کی عام زندگی سے کہیں زیادہ اس کے باطن کے مدھر نغمے کو گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے۔"[۱۲]

آدمی مفادات کی خاطر تعلق کی نوعیت طے کرتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ جڑے لوگوں سے آگے نکلنے کی کوشش میں دوسروں کو کچل دینے کے باوجود بھی کوئی افسوس نہیں کرتا۔ آدمی علامت کے طور پر آدمیت کا نمائندہ ہے۔ وہ اپنے مصنوعی پن کے باعث رعب و دبدبے کی علامت بننا چاہتا ہے۔ آدمی کی یہ خواہش اسے ہر تعلق میں کٹھ پتلی کی حیثیت عطا کر دیتی ہے۔ زاہد امروز نے جدید آدمی کی حسیّات کو منفرد شعری ڈکشن کے ذریعے بیان کیا ہے۔ جدید آدمی کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ شب و روز سے ہم آہنگ نہیں ہو پا رہا۔ جس کے نتیجے میں لامختتم تنہائی کا شکار ہے۔ وہ زندگی کی چکی میں پس کر اپنی اصلیت کھو دیتا ہے۔ آدمی کے اس نوحے کو زاہد امروز نے اپنی نظم **"آدمی کہتا ہے وہ جی سکتا ہے"** میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

" جینے کی خاطر آدمی لوہا بن جاتا ہے
آدمی آرا بن جاتا ہے
آدمی کانٹنے لگتا ہے
دھرتی کٹ جاتی ہے
سینے پھٹ جاتے ہیں
اور خوشیوں کے خصیے کچلے جاتے ہیں۔"[۱۳]

اس حصے کی ایک نظم "آدمی زندہ ہے؟" مختلف تجربہ ہے؛ جس میں شاعر نے لسانی تشکیلات کی مدد سے نظم کی معنویت کو وسیع تناظر میں پیش کیا ہے جبکہ نظم میں ایک تصویر بھی موجود ہے جو بچے کی طرف سے بنائی گئی ہے۔ اس میں آدمی کو درندہ نما جانور دکھایا گیا ہے جو عورتوں اور بچوں کو کھا رہا ہے۔ اس میں شاعر نے Visual Art کا سہارا لیا ہے اور لفظوں کی قید کو توڑا ہے۔ شاعر نے جدید موضوعات کو پیش کرنے کے لیے اپنے Tools بھی خود وضع کیے ہیں۔ جدید شاعر نہ صرف موضوعاتی Liberty چاہتا ہے بلکہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ پیش کش میں بھی مختلف Mediums کا سہارا لے۔ زاہد امروز نے مذکورہ نظم میں کامیاب تجربہ کیا ہے۔ نظم کی چند سطریں دیکھئے :

"آدمی گا رہا ہے
'ماٹی قدم کریندی یار'
ماٹی قتل کریندی یار
آدمی سو رہا ہے
آدمی ٹھنڈی لاشوں کے درمیان سو رہا ہے
آدمی جاگ رہا ہے
آدمی مردہ عورت سے ہمبستری کے لیے جاگ رہا ہے

بچہ آدمی کی تصویر بنا رہا ہے۔"[۱۴]

''**جلے ہوئے آسمان کے پرندے**'' کا آخری حصہ بعنوان ''**عریان بدن میں رات**'' شامل ہے جس میں نظموں کی فضا اور بنت کا انداز خاصا مختلف ہے۔ یہ تمام نظمیں کسی خواب آگیں کیفیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہ نظمیں کسی ایک خواب کی بجائے مختلف مناظر کا ایسا کولاج پیش کرتی ہیں کہ قاری نئی دنیا کا ذائقہ محسوس کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاعر نے مختلف خواب دیکھے ہوں اور بعد میں ان کو شعری تجربے کا حصہ بنا دیا ہو۔ فکشن میں ایسی خواب آگیں فضا نیر مسعود کے افسانوں میں بھی نظر آتی ہے۔ زاہد امروز نے ان نظموں میں ان دیکھی دنیا کی فضا کو نظموں کا حصہ بنایا ہے۔ اس حصے کی نظمیں خیال کی رو اور سرئیلسٹ انداز کو نمایاں کرتی ہیں۔ ''**جنرل وارڈ الباکستان کا خواب**'' میں خیال کی رو (Free Association of Thought) کو دیکھا جا سکتا ہے جس میں Images کی Shifting اسے ایک بہترین نظم بنا رہی ہے:

ایک نرس
بریزئیر درست کرتی ہوئی
ایک ڈاکٹر
زیر جامے کی جنبش چھپاتا ہوا
ایک بڑھیا
بھنبھناتی مکھیوں میں بے سدھ سوئی ہوئی
نومولود بچے
زندگی سے اکتائے ہوئے
ملک الموت
بستر بستر گھومتا ہوا
اور دو گارڈ
مجھے گھورتے ہوئے۔"[۱۵]

''**شفاف بدن کا خواب**'' اور ''**ہتھیاروں کی فضل کا خواب**'' میں نظمیت کے ساتھ نثر یہ انداز در آیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کسی ایک فریم میں رہنے کی بجائے اظہار کے نئے قرینوں سے لطف اندوز ہوتا ہے :

''میں کھیتوں میں تنے ہوئے ہتھیاروں کی فصل دیکھ رہا ہوں۔ خاموش پہاڑوں کی چوٹیوں پر نالیاں لہرا رہیں۔ صحرا کی تاریکی میں وردیوں کے قطبی ستارے چمک رہے ہیں۔ زمین کے ماتھے پر شکنیں اگ رہی ہیں۔"[۱۶]

ان نظموں کا غالب آہنگ نثری نظم کے قریب ہے۔ مگر بعض نظموں میں آزاد نظم کا پیٹرن بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ نثری نظم کے مخالفین شاعر کے اس رویے کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا موقف ہے کہ نظم کو نثری یا آزاد ہونا چاہیے۔ ایک نظم میں دونوں طرح کی صورتیں قابل قبول نہیں ہیں جبکہ شاعر جب نثری نظم کا انتخاب کرتا ہے تو وہ پابندیوں کو تج دینے کے بعد آزادی کے احساس کے ساتھ اس ہئیت میں طبع آزمائی کرتا ہے۔ جبکہ اس کو یہ ترغیب دینا کہ وہ اپنے شعری تجربے کو کس طور نظم کرے گا بذات خود ایک پابندی ہے جس کا متحمل نئی نظم کا شاعر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے زاہد امروز نے اپنے فطری بہاؤ کو برقرار رکھا ہے۔ ان کی نظموں کے تمام امیجز Natural ہیں۔ اس لیے ان میں میکانکی انداز محسوس نہیں ہوتا ہے بلکہ شعریت کا احساس قاری کو اپنے تصرف میں لیتا ہے۔ سرمد صہبائی کے خیال میں:

> "Zahid is our poet of 'Imroz'. With refreshing imagery and complexity of thought. He remains resistant to simplistic interpretations."[17]

''**جلے ہوئے آسمان کے پرندے**'' کی نظمیں جدید انسان کی الجھنوں کو موضوع بناتی ہیں۔ ان میں زاہد امروز نے نئی نظم کے امکانات کو بھی روشن کیا ہے۔ یہ نظمیں روایتی موضوعات، اسلوب اور امیجری نظام کو رد کرتی ہیں اور نئی شعریات کے ساتھ قاری سے مکالمہ کرتی ہیں۔ زاہد امروز نے جدید انسان کے سماجی، انفرادی اور شعری تقاضوں کے مطابق تخلیقیت کی بوطبقاتر تیب دی ہے۔ یہ نظمیں اس انسان کے متعلق ہیں کہ جو اپنی ثقافتی اور تہذیبی شناخت کھو چکا ہے۔ وہ بے نشان ہے اور زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑاتے ہوئے اپنا کوئی آشیانہ تلاش کرنے میں مصروف ہے۔ وہ اپنی اس تباہی کا ذمہ دار بھی خود ہے۔ آج اسے جن زمینی مسائل کا سامنا ہے وہ اس نے خود پیدا کیے ہیں۔ نیچر کو تبدیل کرنے میں انسان کی کوششیں شامل ہیں۔ اس کرۂ ارض پر تنہائی اور گھٹن؛ انسان کی طرف سے پیدا کیے گئے ماحول کا نتیجہ ہے۔ جبکہ آسمان کے رنگ یا اس کی شکل میں کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کا ذمہ دار بھی انسان ہے۔ اب اس کا فیصلہ قاری نے کرنا ہے کہ زاہد امروز نے ان نظموں میں جلے ہوئے آسمان کے پرندے دکھائے ہیں یا پھر جلے ہوئے پرندوں کا آسمان نئے حقائق کے ساتھ کسی انجانے موسم میں جینے کی دعوت دے رہا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ جیلانی کامران، نئی نظم کے تقاضے،(لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۴ء)، ص۲۶

۲۔ عتیق اللہ، ''جدید نظم: ہئیت اور تجربے''، مشمولہ، اردو نظم ۱۹۶۰ء کے بعد،(دہلی: اُردو اکادمی، ۲۰۱۳ء)، ص۱۰۴

۳۔ زاہد امروز، ۲۳ ستمبر ۱۹۸۶ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ ۲۰۰۹ء میں ان کا پہلا شعری مجموعہ ''خودکشی کے موسم میں'' شائع ہوا جسے حکومت کی طرف نیشنل ایوارڈ دیا گیا۔ ''کائناتی گرد میں عریاں شام'' ان کی نظموں کا دوسرا مجموعہ ہے جو ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا۔ وہ عالمی ادب سے تراجم بھی کرتے رہتے ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں انہوں نے پابلو نیرودا کی نظموں کے تراجم کیے جو ''محبت کی نظمیں اور بے بسی کا گیت'' کے عنوان سے شائع ہوئے۔ وہ ادبی رسالہ ''نقاط'' کے مدیر بھی رہے۔ ان کی نظمیں دیگر زبانوں میں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔

۴۔ زاہد امروز، جلے ہوئے آسمان کے پرندے،(لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء)، ص۱۵

۵۔ ایضاً، ص۲۲

۶۔ مظہر الاسلام، یادوں کی اَنی پر رقصِ درویش، مشمولہ، خودکشی کے موسم میں(زاہد امروز)،(کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۰۹ء)، ص۱۱، ۱۲

۷۔ زاہد امروز، جلے ہوئے آسمان کے پرندے، ص۲۳

۸۔ سعادت سعید، اردو نظم میں جدیدیت کی تحریک،(لاہور: سنگِ میل، ۲۰۱۷ء)، ص۲۹۰

۹۔ زاہد امروز، جلے ہوئے آسمان کے پرندے، ص۲۸، ۲۹

۱۰۔ ہادی حسین، محمد، شاعری اور تخیل،(لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۲۰۱۵ء)، ص۲۰

۱۱۔ زاہد امروز، جلے ہوئے آسمان کے پرندے، ص۳۶

۱۲۔ وزیر آغا، نظم جدید کی کروٹیں،(لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۱۸ء)، ص۲۳

۱۳۔ زاہد امروز، جلے ہوئے آسمان کے پرندے، ص۵۷

۱۴۔ ایضاً، ص۶۵

۱۵۔ ایضاً، ص۷۲

۱۶۔ ایضاً، ص۹۳

۱۷۔ سرمد صہبائی(فلیپ)، کائناتی گرد میں عریاں شام، زاہد امروز،(لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)